احکام السفر

لفضیلۃ الشیخ ابی محمد امین اللہ البشاوری حفظہ اللہ ورعاہ

الحمدللہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ امابعد!

سفر کے دیگر احکام بھی بہت زیادہ ہیں لیکن یہاں نماز کے متعلق احکامات بیان کر رہے ہیں، ہماری شریعت کے کمالات اور سماحت میں سے یہ بات ہے کہ احکامات مقرر کرنے کے بعد اس میں رخصتیں بھی دی ہیں، اگر ساری امت پر ہر حالت میں یہی احکام ہوتے تو پھر امت کیلئے مشکل ہو جاتا۔

تو سفر میں روزہ نہ رکھنے کی رخصت بھی ہے لیکن یہاں نماز کے متعلق رخصت ذکر کر رہے ہیں، نماز کے متعلق چند قسم کی رخصتیں ہیں: 1: لمبی قراءت مختصر قراءت کے ساتھ بدل جاتی ہے، فجر کی نماز آخری دو سورتوں کے ساتھ بھی پڑھ سکتا ہے۔ 3: سنن رواتب چھوڑنا بھی جائز ہے۔ 4: جمع بین الصلاتین سفر میں پڑھنے کی رسول اللہ ﷺ نے رخصت دی ہے اگرچہ بعض مذاہب میں یہ نہیں ہے لیکن دین میں ہے، انھوں نے خود کو اس خیر سے زبردستی محروم کیا ہے۔

5: سفر میں سواری پر بیٹھ کر نماز پڑھنا جائز ہے۔ 6: اقامت کے اعمال دوران سفر پورے لکھے جاتے ہیں۔ 7: دعا قبول ہوتی ہے۔ 8: جماعت کا ترک کرنا۔ 9: اس پر جمعہ کی نماز لازم نہیں ہے، صرف ظہر کی سفرانہ نماز پڑھے گا۔

حكم القصر في السفر

قصر میں علماء کرام کا اختلاف ہے کہ یہ کس درجہ میں ہے، واجب ہے یا سنت؟

1: علامہ خطابی رحمہ اللہ معالم السنن میں فرماتے ہیں: اکثر علماء سلف اور فقہاء الامصار کا یہ ہے کہ سفر میں قصر کرنا واجب ہے اور یہ قول علی، عمر، ابن عمر، ابن عباس رضی اللہ عنہم اور عمر بن عبد العزیز، قتادہ اور حسن بصری رحمہم اللہ کا ہے۔

2: اور حماد بن ابی سلیمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو شخص سفر میں چار رکعت پڑھتا ہے تو وہ اعادہ کرے گا۔

3: امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر کسی نے اتمام کیا اور وقت باقی تھا تو نماز دوبارہ پڑھے گا۔ انتہی۔ اور یہ قول احناف کا بھی ہے کہ قصر واجب ہے، اگر کسی نے قصر نہیں پڑھا تو وہ گناہگار ہے اور اگر قعدہ سے اٹھا تو اس کی نماز فاسد ہے، کیونکہ اس نے فرض کو نوافل کے ساتھ خلط کیا۔ (نيل الاوطار 245/3، تحفة الاحوذي 82/2، الاستذكار 222/2، باب قصر الصلاة في السفر، و الفتح الرباني 97/5)

دلائل: 1: **دلیل**: مسلم 241/1 میں حدیث یعلی بن امیہ ہے جس میں یہ ہے (جیسا کہ آگے آئے گا): "صدقة تصدق الله بها عليكم فاقبلوا صدقته" "اللہ تعالیٰ کا صدقہ قبول کریں"۔ تو یہاں امر ہے صدقہ قبول کرنے پر اور امر کا ظاہر وجوب ہے۔

2: **دلیل**: حدیث عائشہ ہے: "فرضت الصلاة ركعتين، ثم هاجر النبي ﷺ ففرضت اربعا وتركت صلاة السفر على الاولى" (بخاري 560/1، رقم: 3935) وفي رواية مسلم 241/1: انها قالت: فرض الله الصلاة حين فرضها ركعتين، ثم اتمها في الحضر، فاقرت صلاة السفر على الفريضة الاولى" یہ حدیث دلیل الوجوب ہے کہ جب سفر کی نماز دو رکعت ہے تو اس پر زیادت کرنا جائز نہیں ہے جس طرح حضر میں چار رکعت سے کم جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مسند احمد میں روایت ضحاک بن مزاحم سے منقول ہے: "فمن صلى في السفر اربعا كمن صلى في الحضر ركعتين" لیکن اس روایت کو شعیب الارناؤط نے ضعیف قرار دیا ہے حمید بن علی العقیلی کی وجہ سے جس کے متعلق امام دارقطنی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: "لا يحتج به" اور ابن حبان نے طبقہ رابعہ کے ثقات میں ذکر کیا ہے اور ابو زرعہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ "كوفي لا بأس به"۔ (الفتح الرباني)

"ولكن قال الاعظمي: ويشهد له ما رواه عبد الرزاق عن ابن عباس: انه لا ينبغي للمسافر ان يصلي صلاة المقيم" (كنز العمال 242/4، روضة المحدثين 496/11) (الشاملة)

لیکن اس کا جواب دیگر علماء کرام یوں دیتے ہیں کہ حدیث میں عائشہ رضی اللہ عنہا دو حکموں کی خبر دیتی ہیں۔ 1: ایک یہ کہ مکہ میں نماز فرض ہوئی ہے اور وہ مسافر اور مقیم دونوں کیلئے دو دو رکعات تھی۔ 2: جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو حضر کی نماز میں زیادت ہوئی، اور سفر کی نماز اپنی اصلی حالت باقی رہ گئی، تو اب سفرانہ نماز دو رکعت پڑھنا بھی رخصت ہے عزیمت نہیں ہے کیونکہ یہ مطلب نہیں ہے کہ زیادت جائز نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالی کا احسان ہے کہ سفر کی حالت میں پرانی حالت پر باقی رکھا اور اس میں زیادت کو لازم قرار نہیں دیا۔

3: **دلیل**: حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما ہے "فرض الله الصلاة على لسان نبيكم ﷺ في الحضر اربعا، وفي السفر ركعتين وفي الخوف ركعة" (مسلم: 241/1) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سفر میں دو رکعت فرض ہے، لہٰذا زیادت نہیں کرے گا۔

لیکن اس سے دیگر علماء کرام یہ جواب دیتے ہیں کہ اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ سفر میں دو رکعات سے کمی نہیں کرے گا جیسا کہ صلاۃ الخوف میں ایک رکعت سے کم نہیں پڑھے گا۔ کیونکہ بالاتفاق صلاۃ الخوف میں ایک رکعت سے زیادت جائز ہے۔

رہا حضر تو اس میں چار سے کم اور زیادہ پڑھنا جائز نہیں ہے دیگر دلائل کی وجہ سے۔ فتدبر

4: **دلیل**: نسائی میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے وہ فرماتے ہیں: "ان الله عزوجل امرنا ان نصلي ركعتين في السفر" (صححه الالباني في صحيح سنن النسائي: 457) ہمیں اللہ تعالی نے یہ حکم دیا ہے کہ سفر میں دو رکعات پڑھ لیں۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں امر سے مراد یہ نہیں ہے کہ زیادت جائز نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ سفر میں دو رکعات پڑھنا حکم شرعی ہے اور شرعی طریقہ ہے۔

5: **دلیل**: اثر عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہے: "صلاة السفر ركعتان، وصلاة الجمعة ركعتان والفطر والاضحى ركعتان، تمام غير قصر على لسان محمد ﷺ" (ابن ماجه 1063، والنسائي 211/1، 1364، وابن حبان 22/7 (2783) وصححه الالباني)

یہ حدیث مرفوع کے درجے میں ہے۔ اور صریح ہے کہ قصر عزیمت ہے اور اتمام جائز نہیں ہے کیونکہ یہاں سفر کے دو رکعات کو جمعہ کے ساتھ مشابہ کیا ہے اور نماز جمعہ کا پورا کرنا تو ناجائز ہے تو اسی طرح سفر کی نماز پڑھنا بھی ناجائز ہے۔

اس کا **جواب** امام نووی رحمہ اللہ نے یوں دیا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ صلاۃ السفر اس شخص کیلئے دو رکعت ہے جو اس پر اقتصار کا ارادہ کرے، رہا یہ قول (تمام غیر قصر) تو اس کا معنی یہ ہے کہ: "تمام اجرهما مثل الاربع" (اس کا اجر چار رکعتوں کی طرح ہے) انھوں نے یہ تاویل اس لیے متعین کی ہے تاکہ دلائل کو جمع کیا جاسکے۔

2: **قول ثانی**: قصر رخصت ہے اور پوری نماز پڑھنا افضل ہے، اور یہ قول امام شافعی، مالک اور احمد رحمہم اللہ کا ہے، امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ قول جمہور علماء کرام کا ہے، اور عائشہ، عثمان اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔

3: لیکن امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قصر سنت ہے لیکن اگر کسی نے اتمام کیا تو اس کی نماز مکروہ ہے۔ اور اسی قول کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے کسی سفر میں اتمام نہیں کیا اور فرمایا ہے: "صلوا كما رايتموني اصلي"

اور امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قصر افضل ہے اور اتمام بدون الکراہت جائز ہے جیسا کہ امام ابن قدامہ رحمہ اللہ نے المغنی میں امام احمد رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

3: امام نووی ؒ فرماتے ہیں: شوافع کا مشہور اور صحیح قول یہ ہے کہ قصر افضل ہے اور اتمام جائز ہے۔ (شرح مسلم) اور صاحب عون المعبود فرماتے ہیں کہ یہ قول مالک بن انس، شافعی اور اکثر اہل علم کا ہے۔ (148/3)

دلائل: احناف اور ان کے موافقین کے دلائل بیان ہو چکے ہیں۔

شوافع اور مالکیہ کے دلائل یہ ہیں:

1: ایک یہ کہ عثمان اور عائشہ ؓ اتمام کیا کرتے تھے۔ امام نووی ؒ فرماتے ہیں: صحابہ کرام ؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے تو بعض قصر کرتے تھے اور بعض اتمام، بعض روزہ رکھتے اور بعض افطار کرتے۔ اور بعینہٖ یہی بات ابو نجیح المکی، سعید بن المسیب اور عطاء رحمہم اللہ سے منقول ہے۔ (واللفظ لابي نجيح) "**اصطحب اصحاب النبی ﷺ فی السیر فکان بعضهم یتم وبعضهم یقصر وبعضهم یصوم وبعضهم یفطر فلا یعیب هؤلاء علی هؤلاء ولا هؤلاء علی هؤلاء**" (ابن ابي شيبة: 452/2)

2: دوسری دلیل "**لیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلاۃ**" سے معلوم ہوتا ہے کہ قصر رخصت ہے اور عزیمت نہیں ہے۔ **کماقال النووي في شرح مسلم۔**

لیکن اس کا **جواب** یہ ہے کہ یہ صلاۃ الخوف کے متعلق نازل ہوا ہے اور اس میں قصر عدد مراد نہیں ہے بلکہ قصر الارکان والتخفیف مراد ہے۔

3: اور صدقہ لفظ سے استدلال کرتے ہیں کہ قصر رخصت ہے نہ کہ عزیمت۔ لیکن بعد میں "**فاقبلوا**" کا حکم آیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا قبول کرنا لازم ہے۔ لیکن اس سے جواب یہ ہو سکتا ہے کہ قبول کرنے کا معنی یہ ہو کہ اس کو رد نہ کرو تو جو بندہ قصر کے جواز کا عقیدہ رکھتا ہے یا استحباب کا تو اس نے یہ صدقہ قبول کیا۔ اسی طرح یہ بھی فرماتے ہیں کہ صدقہ لفظ سے اس کی رخصت معلوم ہوتی ہے لہٰذا اگر "**فاقبلوا**" سے وجوب مراد لیں تو پھر ایک ہی حدیث مشتمل ہوگا حکمین متضادین پر، پہلا حکم رخصت کا اور دوسرا عزیمت اور لزوم کا۔

4: **دلیل:** سیدہ عائشہ ؓ نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عمرہ کیا تو آپ ﷺ نے روزہ توڑا اور قصر نماز پڑھی اور عائشہ ؓ نے روزہ پورا کیا اور پوری نماز پڑھی، پھر نبی ﷺ کو اس کی خبر دی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "**احسنت یا عائشة**" (آپ نے اچھا کیا)۔ (**دارقطني، نسائي 213/1، السنن الكبري للبيهقي 141/3، وسنده حسن او صحيح وحسنه البيهقي في السنن وفي معرفة السنن والآثار 425/2، وانظر تنقيح التحقيق 32/2**) اس کی سند میں علاء بن زہیر راوی ہے جس کو یحییٰ بن معین نے ثقہ کہا ہے اگرچہ ابن حبان ؒ نے اس میں کلام کیا ہے لیکن ان کا کلام بھی متناقض ہے کیونکہ ان کو ثقات میں بھی لائے ہیں اور ضعفاء میں بھی اور حافظ ابن حجر اور امام ذہبی رحمہم اللہ نے ان کی تردید کی ہے۔ اور اس روایت میں رمضان کی قید بھی وہم ہے اگرچہ باقی روایت صحیح ہے۔ شیخ البانی ؒ نے الارواء 8/3 میں اس کی تقویت کی طرف اشارہ کیا ہے لہٰذا یہ سنت تقریری ہے۔

علامہ شوکانی ؒ نے اس قول کیلئے چار دلائل ذکر کیے ہیں اور سب پر کلام کیا ہے، اس کی طرف رجوع کیا جائے۔ (نیل الاوطار: 247/3) لیکن بعض دلائل ان میں قوی ہیں **کما عرفت۔**

5: سیدنا انس بن مالک القشیری ؓ (یہ مشہور انس ؓ نہیں ہیں) سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "**ان الله وضع عن المسافر الصوم وشطر الصلاۃ وعن الحامل والمرضع الصوم**" (**اخرجه الاربعة، حسن الترمذي، نصب الراية 190/2، وقال الالباني في صحيح سنن النسائي 2275، 2276، وابن ماجه 1167 حسن صحيح۔**)

اللہ تعالی نے مسافر کو نصف نماز اور روزہ معاف کیا ہے اور حاملہ اور مرضعہ کو روزہ معاف کیا ہے۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ اتمام جائز ہے کیونکہ روزہ رکھنا سفر میں جائز ہے، اور یہاں صوم اور صلاۃ دونوں کو ایک لفظ (وضع) کے نیچے ذکر کیا ہے۔ اسی طرح (وضع) لفظ بھی تخفیف کا متقاضی ہے نہ کہ حتم اور لزوم کا۔

6: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "ان النبی ﷺ **كان يقصر في السفر ويتم ويفطر ويصوم**" **(دارقطني 189/2 وقال هذا اسناد صحيح ورواه البيهقي 141/3 وابن الجوزي في التحقيق وصححه الشنقيطي في اضواء البيان: 267/1)**

"یعنی رسول اللہ ﷺ سفر میں قصر اور اتمام کرتے اور روزہ بھی رکھتے اور افطار بھی کرتے"۔ لیکن اس پر:

اعتراض: ہے کہ اس حدیث کی متن میں تصحیف کی گئی ہے اور دراصل یوں ہے کہ نبی ﷺ قصر کرتے تھے اور عائشہ رضی اللہ عنہا اتمام کرتے تھے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور شیخ الاسلام ابن القیم رحمہما اللہ فرماتے ہیں: یہ حدیث رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ ہے۔ (زاد المعاد: 181/1) اور یہی بات حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی کی ہے کہ یہ لفظ "تتم" ہے اور ضمیر عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف راجع کیا ہے۔

جواب: یہ ہے کہ یہ حدیث بالکل صحیح ہے، دارقطنی اور بیہقی نے اس کو صحیح کہا ہے اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے ارواء الغلیل میں ابن حجر رحمہ اللہ کا رد کیا ہے کہ یہ روایت سنن الدارقطنی میں (يقصر ويتم) کے ساتھ ہے یعنی یاء ہے تاء نہیں ہے۔ اور یہی روایت ابن الجوزی کی تحقیق پر نصب الرایہ میں بھی یاء کے ساتھ ہے۔

لہٰذا حدیث کے الفاظ بلا دلیل نہیں بدلے جائیں گے، اگرچہ نبی ﷺ کی اکثر عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ سفر میں قصر کرتے تھے لیکن بیاناً للجواز احیاناً اتمام بھی کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ **وانظر فتاوي الدين الخالص 102/6**

خلاصہ: لہٰذا وجوب کے دلائل بہت ہیں لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اعمال اور فتاوی قرینہ ہے کہ قصر واجب نہیں ہے اور رسول اللہ ﷺ کی سنت تقریری بھی اس کے متعلق موجود ہے، لہٰذا قصر سنت مؤکدہ ہے اور اتمام مکروہ ہے اور وہ:

1: عائشہ رضی اللہ عنہا کا عمل ہے، اگر اتمام واجب ہوتا تو عائشہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں اتمام کیوں کرتے؟

2: سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ جب منیٰ آتے تو اتمام فرماتے اور تمام صحابہ اور تابعین آپ کی اقتداء کرتے، اور کسی نے ان پر اعتراض نہیں کیا۔

اور جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان پر اعتراض کیا تھا تو وہ اس وجہ سے تھا کہ لائق اتباع سنت ہے اور عثمان رضی اللہ عنہ کو قصر کرنا چاہئے، لیکن بعض کہتے ہیں کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی یہ رائے تھی کہ قصر اور اتمام دونوں جائز ہے اور اتمام افضل ہے، کیونکہ وہ خلیفۃ المسلمین ہے تو ہر جگہ اس کیلئے ایسی ہے جیسے اس کا اپنا وطن ہو، اسی وجہ سے اتمام افضل سمجھا اور یہ ان کی تاویل تھی۔ **(المنتقي شرح الموطاء 347/1 قصر صلاة السفر)**

3: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ: قصر ابو القاسم ﷺ کی سنت ہے یعنی واجب نہیں ہے۔ **(الفتح الرباني 102/5، بلوغ الاماني، المغني: 108/2)**

4: علماء کرام کا اجماع ہے کہ مسافر جب مقیم کے پیچھے اقتداء کرے تو اس پر اتمام لازم ہے لہٰذا اگر قصر واجب ہوتا تو پھر امام کے پیچھے چار رکعت جائز نہ ہوتا۔ (فتح الباری: 50/4)

5: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب انفرادی طور پر نماز پڑھتے تو قصر کرتے اور جب عثمان رضی اللہ عنہ کے پیچھے کھڑے ہوتے تو اتمام کرتے اور کہتے کہ خلاف میں شر ہے۔ (فتح الباری: 50/4، **الصلاة بمني)**

اس سے معلوم ہوا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ قصر کو واجب نہیں کہتے اور اتمام کو بھی جائز کہتے ہیں۔

پس قصر سنت ہے لیکن اگر ضرورت ہو کہ کہیں ایک بندہ نماز پڑھا رہا ہو اور اس نے اتمام کیا تو ان شاء اللہ یہ جائز ہوگا یا بھول کر اتمام کر لے تو جائز ہے۔ **واللہ اعلم وباللہ التوفیق وانظر تائید ما قلنا في الشرح المختصر علي بلوغ المرام : 265/3، ومجموع الفتاوي : 8/24، والتفصیل في فتاوي الدین الخالص : 101/6۔**

المسئلة الثانية: قصر کی حد مکانی

سفر کیلئے حد زمانی و مکانی ہے یا نہیں؟ حد مکانی میں اختلاف ہے اور اس میں تقریباً بیس اقوال ہیں۔ بعض ان میں یہ ہیں:

1: امام **ابن حزم** رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے اس باب میں غور و فکر کیا تو مجھے تمام اقوال اور دلائل سے یہ واضح ہوا کہ قصر ایک میل میں جائز ہے اور ایک میل سے کم قصر جائز نہیں ہے۔ اگر ایک میل سفر کیا تو مسافر ہے۔ (المحلی : 21/5) اور صاحب السنن والمبتدعات نے اس رائے کو ترجیح دی ہے، اور یہ قول ابن ابی شیبہ رحمہ اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔

2: **اهل ظواهر** کہتے ہیں: سفر کی اقل مسافت و مقدار تین میل ہے، صحیح مسلم میں حدیث ہے: "ان رسول الله ﷺ کان يقصر اذا سافر ثلاثة اميال او ثلاثة فراسخ" (الصحيحة : 261/1) تو وہ کہتے ہیں کہ تین میل میں رسول اللہ ﷺ نے قصر کی نماز پڑھی ہے۔ اب جس بندے نے تین میل سفر کیا تو وہ مسافر ہے۔ لیکن ایک تو اس حدیث میں راوی کا شک ہے لہٰذا اندازہ متعین نہیں ہے کہ تین میل ہے یا تین فرسخ اور تین فرسخ نو میل بنتا ہے۔

☆: دوسری بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا تین میل پر قصر کرنا اس بات کی نفی نہیں کرتا کہ اس سے کم یا زیادہ میں قصر جائز نہیں ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ میں بھی قصر منقول ہے جیسا کہ آگے یہ بات تفصیلاً آئے گی۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اس سے حصر فہم نہیں کیا کیونکہ ان سے اس سے کم مسافت میں بھی قصر منقول ہے جیسے ابن عمر، انس اور عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم کے اقوال آگے آئیں گے۔ ان شاء اللہ تعالی

مگر شیخ صفی الرحمٰن مبارکفوری رحمہ اللہ نے حاشیہ بلوغ المرام میں لکھا ہے: اس حدیث کے متعلق کہا گیا ہے کہ فقہاء نے اس حدیث کی طرف ذہاب نہیں کیا لیکن اگر وہ اس کی طرف ذہاب کرتے تو یہ بہت قوی دلیل ہوتی، اور اس کی طرف ہمارے زمانے میں بہت سے اہل حدیث علماء نے ذہاب کیا ہے۔ ایک فرسخ تین میل ہوتا ہے اور تین فرسخ تقریباً ساڑھے چوبیس (24) کلومیٹر بنتا ہے۔ اور یہ تب ہوگا جب ہم ایک میل کو چھ ہزار گز شمار کریں اور اگر میل چار ہزار گز ہو جیسا کہ میل کے متعلق یہی دو قول مشہور ہیں تو پھر تین فرسخ سولہ کلومیٹر اور ثلث کلومیٹر بنتے ہیں۔ لہٰذا جو بندہ سولہ (16) یا کچھ اوپر اپنے گاؤں سے باہر گیا تو اس کیلئے قصر جائز ہے۔ (بلوغ المرام : 123)

3: **قول ثالث**: امام شافعی، امام مالک اور ان کے اصحاب، لیث، اوزاعی، احمد بن حنبل، اسحاق اور اصحاب الحدیث وغیرہ کہتے ہیں: جو شخص اٹھتالیس (48) میل سفر کرے تو وہ مسافر ہے، بخاری میں ہے کہ ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہم چار برید میں قصر کرتے تھے جو کہ اٹھتالیس میل یعنی سولہ فرسخ بنتے ہیں۔ (فتح الباری: 53/4) اور مرفوع حدیث اس کے متعلق ضعیف ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ عرفات تک جانے میں قصر جائز ہے؟ انھوں نے فرمایا: نہیں۔ لیکن عسفان یا جدہ یا طائف تک جانے میں قصر جائز ہے اور مکہ اور ان علاقوں کے درمیان اٹھتالیس (48) میل فاصلہ ہے، لیکن یہ ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی اپنی اجتہادی رائے ہے۔ ان کے پاس مرفوع حدیث موجود نہیں ہے۔ اور دوسرا ان کے ساتھ دوسرے صحابہ کرام کے اقوال اور افعال متعارض آئے ہیں، اسی طرح یہ پیچھے ذکر شدہ حدیث بھی اس کے ساتھ متعارض ہے۔ (**مسيرة ثلاثة اميال**) والی۔

4: **قول رابع**: اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے ایک اور قول مکمل ایک دن کی مسافت کا منقول ہے اور یہ قول زہری اور ایک قول اوزاعی کا بھی ہے۔ اور اس قول کو امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن اور ایک رات کو سفر کا نام

دیا ہے۔ جیساکہ حدیث میں ہے "لا یحل لامراۃ تؤمن باللہ والیوم الاخر ان تسافر مسیرۃ یوم ولیلۃ الا ومعها ذو محرم" (رواہ الجماعۃ الا النسائي)

لیکن یہ سفر کے متعلق نص نہیں ہے کیونکہ یہ حجاب کے متعلق ہے اور سفر اور حجاب کے احکام الگ الگ ہیں، اگر یہ سفر کی مدت ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اس کا بیان فرمادیتے کہ سفر کی مدت اتنا اتنا عرصہ ہے، لیکن فی الجملہ اس سے استدلال صحیح ہے۔

5: امام **ابوحنیفہ** رحمہ اللہ اور احناف فرماتے ہیں: اقل مدت سفر کا تین دن کی مسافت ہے پیادہ یا اونٹوں کے سفر کے مطابق۔ ان کی **دلیل** یہ ہے کہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما میں ہے: "لا تسافر المراءۃ ثلاثۃ ایام الا مع ذی محرم" (بخاری) لیکن یہ بھی دلیل نہیں بنتا کیونکہ اس میں یہ بیان نہیں ہے کہ تین دن سفر کی مدت ہے۔

اور اگر مان لیں تو پھر اس میں فقط یہ بات ہے کہ تین دنوں پر بھی سفر کا اطلاق ہوتا ہے اور یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ تین دن سے کم میں قصر جائز نہیں ہے، لہٰذا ان علماء کرام کے استدلالات ضعیف ہیں۔

6: **تحقیقی قول**: شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ابن القیم اور شیخ البانی رحمہم اللہ کا ہے اور اس کو صاحب توضیح الاحکام علامہ عبداللہ البسام، علامہ شنقیطی نے اضواء البیان: 273/1 میں ترجیح دی ہے اور علامہ صدیق حسن خان رحمہ اللہ نے الروضۃ الندیۃ: 228/1 میں ذکر کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ شریعت نے سفر میں حد زمانی اور حد مکانی (اقل و اکثر مدت) مقرر نہیں کی۔

اور **شیخ الاسلام** رحمہ اللہ نے یہ قاعدہ بیان فرمایا ہے کہ جب ایک لفظ قرآن وسنت میں آجائے تو اس کا بیان اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے کیا ہوگا، اگر انھوں نے نہیں کیا تو پھر لغت کی طرف رجوع کی جائے گی کیونکہ قرآن وسنت لغت عربی میں ہیں، اگر لغت سے بھی اس کی وضاحت معلوم نہ ہوتی ہو جیساکہ لفظ سفر لغت میں ظاہر ہونے اور نکلنے کو کہا جاتا ہے تو کون سا نکلنا اور ظاہر ہونا مراد ہے؟ اس کا بیان لغت میں نہیں ہے۔ تو پھر تیسرے درجے میں لوگوں کے عرف اور رواج کی طرف رجوع کیا جائے گا، اب جس چیز کو عرف میں سفر کہا جاتا ہو وہی شریعت میں بھی معتبر ہوگا اور شریعت نے سفر کیا بیان قول سے نہیں کیا کہ اتنی اتنی مدت ہوئی، نہ کم اور نہ زیادہ، بلکہ رسول اللہ ﷺ نے کم اور زیادہ مقدار میں قصر کیا ہے تو یہ مقدار کا بیان نہیں بن سکتا اور دوسری طرف قرآن کریم میں ہے: "واذا ضربتم فی الارض" (یعنی سفر) مطلق ذکر ہے اور ہر خروج کو سفر نہیں کہا جاتا کیونکہ رسول اللہ ﷺ مسجد قباء اور جبل احد پر جایا کرتے تھے اور وہاں قصر کی نماز نہیں پڑھتے تھے۔ لہٰذا عرف میں جہاں تم جاؤ اور وہاں لوگ تمھیں مسافر کہے اور تم نے بھی رخت سفر باندھا ہو اور خود کو مسافر کہتے ہو تو یہی سفر ہے خواہ وہ کم ہو یا زیادہ ہو، انسان سیر و تفریح کی نیت سے گیا ہو جو کہ لمبا سفر ہو لیکن شام کو واپس گھر لوٹے خود کو بھی مسافر نہیں کہتا اور لوگ بھی اس کو مسافر نہیں کہتے تو وہ شرعا مسافر شمار نہیں ہوگا۔ مثلا کوئی جہاز یا کار میں سوار ہوا اور بہت سے فراسخ یا ایک دو دن کی مقدار سیر و تفریح کیلئے گیا اور تھوڑے عرصے میں اپنے گھر واپس لوٹتا ہے تو اس کو عرف میں مسافر نہیں کہا جاتا بلکہ لوگ اس کو سیر و تفریح والا کہتے ہیں۔

المغنی لابن قدامہ: 95/2 میں ہے کہ اقوال علماء پر کوئی دلیل نہیں کیونکہ اقوال صحابہ متعارض اور مختلف ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال جب مختلف ہوں تو اس میں کوئی حجت نہیں ہوتی۔ اور اندازہ مقرر کرنے کا تعلق شریعت کی توقیف سے ہے لہٰذا رائے کے ساتھ اس کی طرف رجوع نہیں کی جاسکتی، اور حجت اس کے پاس ہے جس نے ہر مسافر کیلئے قصر کو مباح کہا ہے۔ راجع زاد المعاد 189/1 ومجموع الفتاوي 38/24 تا 60، تمام المنة: 319، الصحيحة: 261/1، ونيل الاوطار: 253/3، وتيسير العلام شرح عمدة الاحكام: 314/1، الروضة الندية 228/1، اضواء البيان 273/1 تفسير المنار: 151/1 وفتاوي الدين الخالص: 100/6۔

المسئلۃ الثالثۃ: قصر کیلئے حد زمانی

کیا حد زمانی ثابت ہے؟ یعنی کتنے عرصے کیلئے نکلے تو وہ مسافر شمار ہوگا؟ تو اس کے متعلق علامہ ابن حزم رحمہ اللہ نے تیس اقوال نقل کیے ہیں جن میں راجح دو اور ارجح اور اصح ان میں ایک ہے اور وہ اقوال یہ ہیں :

1: **القول الاول:** پہلا قول یہ ہے کہ شریعت نے سفر کیلئے کوئی حد مقرر نہیں کی، بلکہ اس کو عرف کے سفر د کیا ہے، بلکہ اس کو عرف کے سپرد کیا ہے لہذا مسلمانوں کے عرف میں جس کو سفر کہا جاتا ہو وہی سفر شمار ہوگا اور جس کو سفر نہ کہا جائے تو وہ سفر نہیں ہوگا اور اس قول کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ، شیخ صالح العثیمین، الشیخ عبداللہ البسام، الشیخ الشنقیطی، شیخ البانی اور سعودی عرب کے عام علماء کرام نے ترجیح دی ہے۔

دلائل هذا القول: 1: دلیل: کتاب وسنت میں سفر کی کوئی حد مقرر نہیں ہے رہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال تو وہ مختلف ہیں اور اجتہاد پر مبنی ہیں اور لغت بھی اس کا بیان نہیں کر سکتی، تو اس کو عرف کے سپرد کیا جائے گا، لہذا عرف جس کو سفر شمار کرے وہ سفر شمار ہوگا خواہ مدت کم ہو یا زیادہ۔

2: **دلیل:** اگر سفر کیلئے کوئی حد معلوم ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اپنے قول یا فعل سے اس کو بیان کر دیتے، جب رسول اللہ ﷺ نے اس کا بیان نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ شرعا اس کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔

3: **دلیل:** رہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال تو وہ مختلف ہیں۔ 1: عبد الرحمٰن بن المسور رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہم نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ عمان میں دو مہینے گزارے اور وہ دو رکعت پڑھتے تھے اور ہم چار رکعت پڑھتے تھے، جب ہم نے ان کے سامنے اس بات کا تذکرہ کیا تو انھوں نے فرمایا: "نحن اعلم" "ہم زیادہ جاننے والے ہیں" **(الاثرم في سننه وعبدالرزاق: 535/2، ورجاله ثقات ولكن حبيب مدلس وقد عنعنه)**

2: حفص بن عبداللہ کہتے ہیں: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ دو سال تک شام میں رہتے تھے اور نماز میں قصر کرتے تھے۔ **(الاثرم في سننه، مجموع الفتاوي 141/24، 143)**

3: سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے خیبر میں چالیس دن گزارے اور آپ قصر فرماتے تھے۔ **(عبد الرزاق 533/2، واسناده ضعيف، الحكم لم يسمع عن مقسم هذا الحديث، مع انه كان اذ ذاك في المعركة انظر نصب الراية: 391/1)**

4: حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نیشاپور میں ایک یا دو سال رہے اور قصر پڑھتے رہے، سلام پھیرتے اور دو رکعت ادا کرتے۔ **وسنده صحيح، (ابن ابي شيبة: 454/2)**

5: ابو مجلز رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: میں مدینہ کی طرف اپنی طلب حاجت کیلئے آتا ہوں اور وہاں سات یا آٹھ مہینے رہتا ہوں تو میں کس طرح نماز پڑھوں؟ انھوں نے فرمایا: دو دو رکعت پڑھا کرو۔ (عبدالرزاق)

4: **دلیل:** "وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ" یہاں ضرب فی الارض (سفر) مطلق ذکر کیا گیا ہے، کوئی حد معلوم نہیں ہے۔

5: **دلیل:** سیدنا جابر اور سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چار ذی الحجہ کو مکہ تشریف لائے اور حج کا احرام باندھا ہوا تھا الحدیث۔ اور نبی ﷺ نے اپنی حج میں دو دو رکعت ادا کیے یہاں تک کہ مدینہ واپس ہوئے، جیسا کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ سے مکہ کیلئے رخت سفر باندھا (حج کیلئے) تو آپ دو دو رکعت نماز پڑھتے تھے یہاں تک کہ ہم مدینہ واپس آئے۔ (متفق علیہ)

طریقہ استدلال: رسول اللہ ﷺ حج کی غرض سے مکہ میں رہائش پذیر تھے اور وہ معین ومقید زمانہ تھا اور پہلے سے نیت بھی کی تھی اور پھی اسی حالت میں دو دو رکعت پڑھتے تھے یہاں تک کہ مدینہ کی طرف واپس پلٹے تو یہ دلیل ہے کہ اقامت ایک معین غرض کیلئے جب وہ ختم ہو تو انسان کا اپنے وطن واپس ہونے تک سفر کا حکم منقطع نہیں ہوتا اگرچہ وہ مدت معین ومحدود ہو۔

6: حجاج کرام ذی الحجہ کی پہلی تاریخ کو مکہ آتے ہیں یا تھوڑا پہلے یا حج کے قریب اور حج کے مہینے شوال سے شروع ہوتے ہیں اور نبی ﷺ نے امت کو یہ نہیں بتایا کہ جو بندہ چار ذی الحجہ سے پہلے حج کرنے آئے گا تو وہ اتمام کرے گا لہٰذا اگر یہ اللہ تعالی کا حکم ہوتا تو رسول اللہ ﷺ ضرورت امت کو بیان فرماتے، اور بیان کی ضرورت بھی تھی، تو جب نبی ﷺ نے بیان نہیں کیا تو دلیل ہے کہ سفر کیلئے کوئی حد نہیں۔

7: **دلیل:** عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں انیس دن رہے اور آپ نے دو دو رکعت پڑھی۔ (صحیح بخاری)

اس روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے روزہ رکھا ہوا تھا یہاں تک کہ جب مقام کدید (وہ پانی جو قدید اور عسفان کے درمیان ہے) پہنچے تو روزہ افطار کیا، اور اسی طرح مفطر ہی رہے یہاں تک کہ مہینہ گزر گیا۔

لہٰذا یہ دونوں احادیث واضح ثبوت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چار دن سے زیادہ اقامت میں بھی قصر اور فطر کی ہے تو اس میں رد ہے جمہور کے قول پر جو چار دن سے زیادہ اقامت پر اقامت کا حکم ثابت کرتے ہیں۔ **وسياتي جوابه**

8: **دلیل:** سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے تبوک میں بیس دن گزارے اور وہاں نماز میں قصر کرتے تھے۔ (ابوداود، بیہقی، باسناد صحیح)

دیکھیں! رسول اللہ ﷺ بیس دن وہاں رہے اور پھر بھی قصر پڑھ رہے ہیں، معلوم ہوا کہ سفر کیلئے معین مدت مقرر نہیں ہے۔

9: **دلیل:** موسی بن سلمہ الہذلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ جب میں مکہ میں ہوں اور امام کے ساتھ نماز نہ پڑھوں (یعنی انفرادی طور پر) تو کس طرح پڑھوں؟ فرمایا: دو رکعت۔ یہی ابوالقاسم ﷺ کی سنت ہے۔ (صحیح مسلم: 241/1)

10: **دلیل:** ابن ابی شیبہ بسند صحیح ابو حمزہ نصر بن عمران سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا: ہم خراسان میں بہت عرصہ گزارتے ہیں تو آپ کی کیا رائے ہے؟ (نماز کیسے پڑھیں) فرمایا: دو رکعت پڑھو اگرچہ تم دس سال تک رہو۔

11: **دلیل:** ثمامہ بن شراحیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: "**ما صلاة السفر**؟" قصر نماز کس طرح ہوتی ہے؟ انھوں نے فرمایا: دو دو رکعات۔ لیکن مغرب کی نماز تین رکعت ہے، پھر میں نے کہا: اگرچہ میں ذوالمجاز میں ہوں؟ فرمایا: ذوالمجاز کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: یہ وہ جگہ ہے جہاں ہم بیس یا پندرہ راتیں گزارتے ہیں۔ فرمایا: میں آذربیجان میں تھا۔ راوی کہتے ہیں مجھے یاد نہیں کہ دو مہینے کہا یا چار مہینے۔ اور میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیکھتا تھا کہ وہ قصر پڑھتے تھے، اور میں نے اپنی آنکھوں سے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ دو رکعات پڑھتے تھے، پھر یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی: "**لقد كان لكم في رسول الله ﷺ اسوة حسنة**" "یعنی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تابعداری بہتر ہے"۔

12: سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ کے اصحاب رضی اللہ عنہم رامہرمز علاقے میں نو مہینے تک رہتے تھے اور نماز میں قصر کرتے تھے۔ (**بيهقي قال النووي اسناده صحيح وقال ابن حجر صحيح**) یہ تمام آثار دلالت کرتے ہیں کہ قصر جائز ہے خواہ زیادہ وقت گزارے یا کم، کوئی مدت معین نہیں ہے۔

13: **دلیل:** قصر اور فطر کیلئے علت دفع حرج اور مشقت ہے کیونکہ سفر مظنہ حرج مشقت ہے لہٰذا حرج جس طرح لمبے سفر میں ہوتا ہے اسی طرح کم سفر میں بھی ہوتا ہے تو جب یہ علت موجود ہے تو حکم بھی موجود ہوگا لہٰذا اندازہ لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ تھے اس قول کے مرکزی دلائل۔

القول الثانی: سفر کیلئے حد زمانی اور معین مدت ہے جب اس سے انسان تجاوز کرے گا تو نماز پوری پڑھے گا اور اس پر مقیم کے احکام جاری ہونگے اور یہ قول اکثر اہل علم، محدثین، فقہاء اور ان کے اتباع کا ہے۔

ان کا پھر آپس میں اختلاف ہے لیکن مشہور ان میں چار اقوال ہیں۔

1: **امام ابوحنیفہ** رحمہ اللہ اور امام ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر کہیں پندرہ دن تک رہے تو وہ مقیم ہے اور اگر پندرہ دن سے کم ہو تو پھر مسافر ہے، وہ استدلال کرتے ہیں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے جن میں ہے: **اذا قدمت بلدا وفی نفسك ان تقیم خمسة عشر یوما فاکمل الصلاة**" (نیل الاوطار: 256/3، سبل السلام: 379/2)

لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہما کی دیگر روایات اس روایت کے خلاف ہیں، جیسا کہ آگے آئے گا، لہٰذا یہ حجت نہیں ہوگا۔

2: **امام شافعی** رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر چار دن کے اقامت کی نیت ہو تو بس مقیم ہے اور اگر کم ہو تو مسافر ہے۔ (المغنی: 147/3) پھر مالک اور شافعی کے نزدیک قصر کی مدت تین دن ہے، دخول اور خروج کے دو دنوں کے علاوہ۔

3: **امام احمد** رحمہ اللہ اور داود ظاہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چار دن قصر کی مدت ہے اور اس سے زیادہ میں اقامت ہے۔

4: **امام اسحاق** بن راہویہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر انیس دنوں سے زیادہ کی نیت کی ہو تو اتمام کرے گا۔

3: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: اگر دس دنوں کی نیت کرے تو اتمام کرے گا اور یہی علی رضی اللہ عنہ کا قول بھی ہے۔ (نیل الاوطار)

ان اقوال میں راجح قول امام احمد رحمہ اللہ کا ہے۔ **دلائل هذا القول:**

1: **دلیل:** اصل یہ ہے کہ جب مسافر ارادے کے کسی مقام تک پہنچ جائے تو اس کا حکم مقیم کی طرح ہو لیکن دوسری طرح رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں چار دن تک قصر کیا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ جب چار ذی الحجہ کو مکہ میں داخل ہوئے اور آٹھ ذی الحجہ کو منی تشریف لے گئے تو ان دنوں میں قصر کرتے رہے تو اگر یہ سنت نہ ہوتا تو ہم کہتے کہ جو بندہ مکہ پہنچ گیا تو وہ مقیم ہوگا۔ (المنخلة النونية ص: 60)

2: **دلیل:** یہ آیت کریمہ: "وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي ٱلْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَقْصُرُوا۟ مِنَ ٱلصَّلَوٰةِ"

طریقہ استدلال: اللہ تعالی نے ضرب فی الارض ذکر کیا ہے اور ضرب فی الارض کا معنی جلدی سے سفر کرنا ہے جیسا کہ آیت کریمہ: "**واخرون یضربون فی الارض**" یہاں ہر ضارب فی الارض کو مسافر قرار دیا گیا ہے اور قصر اس بندے کیلئے ثابت کیا ہے جو سفر کرتا ہے، اس بندے کیلئے نہیں جو کسی مکان میں اطمینان پا کر ٹھہر جائے۔ کیونکہ: "فَإِذَا ٱطْمَأْنَنتُمْ فَأَقِيمُوا۟ ٱلصَّلَوٰةَ" میں اطمینان کی صورت میں نماز کے اتمام کا حکم فرمایا ہے۔ اور اطمینان دل کے سکون اور آرام کو کہتے ہیں۔

لہٰذا لغت کے لحاظ سے یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ جو بندہ ضرب فی الارض چھوڑتا ہے تو وہ قصر نہیں کرے گا اور اگر ضرب فی الارض کرتا ہے تو وہ مسافر شمار ہوگا۔

پھر **سوال** بنتا ہے کہ بعض روایات میں تو یہ ہے کہ نبی ﷺ نے مکہ میں چار دن گزارے، دوسری روایت میں دس دن، تبوک میں بیس دن اور فتح مکہ میں انیس دن گزارے تھے تو آپ نے کس طرح چار دن کو حد سفر مقرر کیا؟

الجواب: الحمد للہ! روایات کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہے کیونکہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی جس روایت میں دس دن شمار ہوئے ہیں انھوں نے اس کے ساتھ منی، مزدلفہ اور عرفات کے دن بھی شمار کیے ہیں، رہے چار دن تو وہ مکہ کے اندر رہی ہیں۔

اور تبوک میں بیس دن یا فتح مکہ میں انیس دن اور حجۃ الوداع میں چار دن گزارنے میں فرق ہے اور وہ یہ کہ فتح مکہ اور غزوہ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہاں رہنا عارضی تھا اور اس سے پہلے یہ مدت مقصود نہیں تھی بلکہ مصالح جہاد اور فتح کا تقاضا یہی تھا کہ اتنا عرصہ رہے، سو یہ ایسی اقامت ہے جس کی ابتداء معلوم نہیں اور انتہاء محدود نہیں، بلکہ یہ اقامت غیر مقصودہ ہے، کیونکہ یہ سفر جہاد اور دشمنوں کے مقابلے کیلئے تھا، اقامت اور ٹھہرنے کیلئے نہیں، اور جو شخص جہاد کیلئے نکلتا ہے تو وہ نہیں جانتا کہ اس کا کیا حال ہوگا اور کن حالات کا سامنا کرے گا، لہٰذا یہ صحیح نہیں ہے کہ کوئی یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے سے اقامت کا ارادہ کر لیا تھا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر کے دن متعین کیے تھے کیونکہ یہ منقول نہیں ہے۔ یعنی مثلا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے سفر نہیں کیا تھا کہ تبوک میں بیس دن گزاریں گے یا مکہ میں انیس دن گزاریں گے اور پھر مدینہ لوٹیں گے، لہٰذا اس سے استدلال کرنا بھی صحیح نہیں ہے کہ جو بندہ اتنی مدت یا اس سے کم مدت کسی علاقے میں ٹھہرے اور وہ قصر پڑھے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ٹھہرنا اس نیت سے نہیں تھا۔

رہا حجۃ الوداع کے موقع پر قصر کرنا تو یہ دلیل ہے کہ چار یا چار سے کم دن کسی جگہ رہنے میں قصر ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عرصے کی اقامت کا پہلے سے ارادہ کر لیا تھا کیونکہ یہ حالت امن تھی اور جنگ کا کوئی ارادہ نہیں تھا لہٰذا یہ اقامت مقصودہ ہے۔

3: **دلیل**: عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سیدنا سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے پوچھتے ہیں کہ آپ نے مکہ مکرمہ میں ٹھہرنے کے متعلق کچھ سنا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: مجھے ابن الحضرمی رضی اللہ عنہ نے خبر دی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا: "**للمهاجرين ثلاث بعد الصدر**" (بخاری: 560/1، ابوداود: 284/1، **باب الاقامة بمكة**)

"یعنی مہاجرین کیلئے اپنے وطن واپس ہونے کے بعد تین دن ہیں"۔ یعنی تین دن سے زیادہ نہیں رہیں گے لہٰذا یہ دلیل ہے کہ تین دن کسی جگہ پر رہنے سے انسان مقیم نہیں بنتا۔ اور زیادہ میں مقیم ہوتا ہے۔ رہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فتح مکہ کے موقع پر انیس دن قیام تو وہ مسائل جہاد اور امور جنگ میں سے ہے، قصداً اتنے دن وہاں نہیں ٹھہرے، لہٰذا وہ قیام اضطراری تھا۔

4: **دلیل**: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: مہاجر حج ادا کرنے کے بعد تین دن تک ٹھہریں گے، اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب اہل الذمہ کو مدینہ سے باہر نکالتے تو ان کے آنے والے تجار کو وہاں تین دن تک ٹھہرنے کی مہلت دیتے، یہ دلیل ہے کہ تین دن سفر کے حکم میں ہیں اور جب زیادہ ہو تو اس کا حکم اقامت کا ہے اور یہ عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔ **انتهي المغني: 147/3**

5: **دلیل**: ابن محیریز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابو ایوب انصاری اور ابو صرمہ الانصاری اور عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہم روم کے سرزمین پر سردی میں داخل ہوئے، وہاں رمضان کے روزے بھی رکھے، قیام اللیل بھی کیا اور نماز بھی پوری پڑھی۔ (**الاثرم في سننه، مجموع الفتاوي لشيخ الاسلام: 143/24**)

تو ان تین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سردی کے تین مہینوں (لمبے سفر) میں نماز کا اہتمام کیا ہے، تو ان کے نزدیک بھی سفر کیلئے ایک حد ہے جس کے بعد انسان مقیم بنتا ہے۔

6: **دلیل**: اجماع مرکب اس پر منعقد ہے کہ سفر کیلئے کوئی حد نہیں ہے اور جو شخص کسی جگہ کو اپنا مسکن بنالے یا وہاں معین مدت تک رہے تو وہ مسافر نہیں ہوگا۔ اور جو بعض آثار قول اول میں ذکر کیے گئے ہیں تو وہ خاص واقعات پر محمول ہیں جیسا کہ آگے آئے گا۔

اور سلف صالحین میں کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ سفر کیلئے حد نہیں ہے اور ایک انسان مسافر ہی رہے گا اگرچہ پچاس سال یا ساٹھ سال کسی جگہ پر رہے، جیسا کہ آج کل یہی حال ہے کہ اگر کسی کا لاہور یا پنڈی میں دکان ہے اور اس کا گھر پشاور میں ہو، ہر ہفتے گھر آتا جاتا ہو تو اس کو

بعض بندے اجازت دیں گے کہ تم مسافر ہو اگر چہ پچاس سال وہاں گزارو، تو یہ بات اصول شریعت سے بہت بعید ہے، بلکہ یہ ضعیف قول یا خواہش کی تابعداری ہے۔

7: **دلیل:** ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: "فنحن نصلي فيما بيننا وبين مكة تسعة عشر ركعتين ركعتين، فاذا اقمنا اكثر من ذلك صلينا اربعا" (صحيح البخاري)

(جب ہم انیس دن مکہ اور مدینہ کے درمیان رہتے تو قصر کرتے تھے اور جب اس سے زیادہ رہتے تو اتمام کرتے تھے) لہذا ابن عباس جو کہ حبر الامۃ اور ترجمان القرآن ہے، ان کا بھی یہی فتوی ہے کہ سفر کیلئے حد معلوم ہے کہ وہ انیس دن ہیں۔

وہ رسول اللہ ﷺ کی اقامت سے استدلال کرتے ہیں جو آپ ﷺ نے فتح مکہ کے سال وہاں اختیار کیا تھا اگر چہ یہ اقامت عارضی تھی اور غیر مقصود تھی۔ کمامر۔ لیکن طریقہ استدلال یہ ہے کہ مسافر مقصود تک پہنچنے پر فورا مقیم شمار ہوتا اگر یہ انیس دن کا استثناء نہ ہوتا، لیکن پھر ابن عباس رضی اللہ عنہما کی سوچ اس طرف نہیں گئی کہ یہ تو جہادی سفر ہے۔

8: **دلیل:** عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مختلف چودہ روایات نقل ہیں اور ان سب کی تطبیق یہ ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا مذہب جمہور علماء کی طرح ہے کہ جو بندہ اقامت کا عزم کرلے تو وہ اتمام کرے گا اور اگر کسی نے عزم نہ کیا ہو تو اگر چہ زیادہ عرصہ رہے وہ قصر کرے گا۔ رہا ان کا آذربیجان میں قصر کرنا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کا وہاں اقامت کا عزم نہیں تھا بلکہ مجبورا رہ رہے تھے کیونکہ برف (ثلج) نے ان کا راستہ بند کیا ہوا تھا۔ جیسا کہ یہ ابن قدامہ رحمہ اللہ کی رائے بھی ہے اور انھوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت سے استدلال کیا ہے۔ اسی طرح ابن عمر رضی اللہ عنہما کی رائے یہ بھی تھی کہ جو بندہ کسی شہر پر سے گزرے تو اس کیلئے نماز کا اتمام جائز ہے کیونکہ وہ مصر میں ہے اور اس کیلئے قصر بھی جائز ہے کیونکہ مسافر ہے اور اس نے قصدا اقامت اختیار نہیں کی۔ انظر رسالۃ قصر المغتربين: 59 تا 62۔

10: **دلیل:** اللہ تعالی نے مسافر کو تین دن تک مسح علی الخفین کی اجازت دی ہے، یہ دلیل ہے کہ تین دن سے زیادہ حکم اقامت کا ہے۔

قول اول کے دلائل کی تحقیق: 1: پہلی دلیل سے **جواب** یہ ہے کہ لغت سے سفر کا حد معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ کہ ضرب فی الارض اور اطمینان دونوں دلالت کرتے ہیں کہ سفر ضرب فی الارض کے ختم ہونے سے ختم ہوگا اور جب کسی جگہ رہ کر اطمینان حاصل کرلے تو وہ مسافر شمار نہیں ہوگا۔ جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا ہے۔ اور جب ہم نے سنت کی طرف رجوع کیا تو ہم نے رسول اللہ ﷺ کا فعل حجۃ الوداع میں پایا جو دلالت کرتا ہے حد معین پر۔ اور عرف لوگوں کا مختلف ہوتا ہے تو کن لوگوں کے عرف پر فیصلہ کریں؟ یہ مشکل ہے۔

2: دوسری دلیل کہ رسول اللہ ﷺ نے سفر کا بیان نہیں فرمایا **جواب** یہ ہے کہ اللہ تعالی نے مقیم اور مسافر کے درمیان حد فاصل قرآن کریم میں ذکر فرمایا ہے: "يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ إِقَامَتِكُمْ" تو جو بندہ جس دن سفر کرتا ہے وہ اس دن مسافر ہے اور جو اقامت اختیار کرتا ہے وہ مقیم ہے۔ اور اس کا بیان رسول اللہ ﷺ کے فعل سے کیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے چار دن سے زیادہ وقت گزارنے پر اقامت کیا ہے اور چار دن تک قصر کیا ہے۔

3: اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار سے جواب یہ ہے کہ ایک تو یہ آثار صریح نہیں ہیں مدعی ثابت کرنے میں کیونکہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اقامت کا قصد نہیں کیا تھا بلکہ یہ لوگ مضطر (مجبور) تھے۔ جیسا کہ آگے آئے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار ہیں جس کے ساتھ دیگر اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال متعارض واقع ہوئے ہیں، جیسا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جو بندہ دس دن اقامت کرے تو وہ اتمام کرے گا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی ایک روایت یہی ہے۔

☆: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے: اگر ہم انیس دن مقیم رہے تو اتمام کریں گے۔

☆: ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ: جب ان کا بارہ دن کی اقامت کا ارادہ ہوتا تو وہ اتمام کرتے۔

☆: عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اس وقت تک قصر کرے جب تک توشہ اور توشہ دان نہ رکھ دے۔
☆: سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ وہ پندرہ دن کی نیت سے اقامت میں اتمام کرتے تھے اور اگر اس سے کم ہوتا تو پھر قصر فرماتے۔

اور یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال آپس میں مختلف ہو جائیں تو پھر اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قول بعض دیگر پر حجت نہیں ہے، اسی طرح صحابی کے بہت سے اقوال میں صرف ایک قول پر احتجاج نہیں کیا جائے گا۔

آٹھویں دلیل کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ نے تبوک میں بیس دن قیام کیا اور وہاں قصر کرتے رہے سے **جواب** یہ ہے کہ یہ استدلال محل نظر ہے کیونکہ تبوک میں یا فتح مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیس یا انیس دن تک قصر کرنا اس وجہ سے تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاص متعین مدت کے اقامت کی نیت نہیں کی تھی لہٰذا یہ اقامت غیر مقصودہ تھی کیونکہ جہاد کے موقع پر انسان متعین ایام کی نیت نہیں کرسکتا کیونکہ معلوم نہیں کن حالات کا سامنا ہو اور کتنا وقت لگے تو اس کو مجبوری اور اضطراری اقامت کہتے ہیں جس کا قصد نہیں کیا جاتا۔ لہٰذا اگر کسی کی ایسی حالت بن جائے تو وہ قصر کرسکتا ہے، خواہ جتنی بھی مدت ہو، رہا حجۃ الوداع تو وہاں اقامت کی مدت معلوم تھی، ابتداء اور انتہاء مقرر ہے۔ تو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چار دن تک مکہ میں مقیم رہے اور قصر کرتے رہے تو یہ دلیل ہے کہ حد فاصل بھی یہی ہے، کہ چار دن سے زیادہ میں اتمام کرے گا اور اگر چار سے کم ہو تو قصر کرے گا۔

نویں دلیل کہ علت سفر دفع مشقت وحرج ہے سے **جواب** یہ ہے کہ ہم بھی یہ تسلیم کرتے ہیں، لیکن جو شخص چار دن سے زیادہ اقامت کرتا ہے تو شرعاً اس سے حرج مرفوع ہے اور وہ مقیم کی طرح ہے یعنی حرج ختم ہوا۔

خلاصہ: لہٰذا یہ قول ثانی راجح معلوم ہوتا ہے ان اقوال میں لیکن اس سے بعض صورتیں مستثنیٰ ہیں، اگر ان کا لحاظ رکھا جائے تو تمام دلائل کے مابین تطبیق ممکن ہے اور سب پر عمل ہوسکتا ہے۔

الاحوال المستثنیات

1: پہلی حالت: کہ ایک انسان سفر کرے اور اقامت کا ارادہ نہ ہو لیکن جس کام کیلئے سفر کیا ہے اس کی تکمیل میں بہت وقت لگے تو غیر معین زمانے تک وہاں ٹھہرا رہے اور پہلے سے ٹھہرنے کا ارادہ نہ ہو مثلاً مجاہدین وغیرہ کسی معرکے کیلئے جائیں اور وہاں جنگی مشقوں، تربیت اور صف تیار کرنے میں کافی وقت لگے یا کسی قلعہ کا محاصرہ کیا ہوتا ہے، یا جنگ کرنے کے بعد چند روز تک وہاں ٹھہرے رہیں تاکہ اسلام کی دعوت دے سکیں اور کفار کے دل مرعوب ہو جائیں تو ایسے وقت میں انسان قصر کرے گا اور مسافر شمار ہوگا اگرچہ جتنی بھی مدت گزر جائے۔ اس پر دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تبوک اور فتح مکہ کیلئے ٹھہرنا ہے۔

2: **دوسری حالت**: کہ انسان کسی جگہ سفر کرلے لیکن پھر وہ دوران سفر اقامت پر مجبور ہو جائے مثلاً برف باری کی وجہ سے راستہ بند ہو، دشمن اس کے سامنے آجائے، مرض لاحق ہو، نفقہ ختم ہو جائے یا جیل میں ڈال دیا جائے وغیرہ احوال عارض ہو جائیں تو وہ بھی مسافر شمار ہوگا اگرچہ کتنی ہی مدت وہاں ٹھہرا رہے کیونکہ اس کی نیت اقامت کی نہیں ہے، بلکہ وہ مجبوراً وہاں رہ رہا ہے۔ جیسا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما آذربیجان میں چھ مہینوں تک ٹھہرے رہے اور قصر کرتے رہے، کیونکہ برف باری کی وجہ سے راستہ بند تھا۔

3: **تیسری حالت**: کوئی انسان سفر اور اقامت دونوں پر ایک ساتھ مجبور ہو جائے مثلاً کسی کو ایک علاقے کا والی بنایا جائے اور وہ اس پر راضی نہ ہو یا کسی ایسے عمل پر مکلّف کیا جائے جس کے نفاذ میں سفر اور اقامت کا محتاج ہو جیسا کہ امام مسروق رحمہ اللہ کے ساتھ یہ کام کیا گیا تھا، لہٰذا جس کی یہ حالت ہو تو وہ مسافر کے حکم میں ہے کیونکہ وہ سفر کرے گا اور اسی طرح اس نے اپنی مرضی سے اقامت کا قصد نہیں کیا، فقط بامر مجبوری کسی علاقے کے والی ہونے کی وجہ سے وہاں رہ رہا ہے، لہٰذا حالت اکراہ اور حالت رضا کا فرق بھی کیا جائے گا۔

4: ایک مسافر کسی معین غرض کیلئے اقامت کی نیت کرلے جو کہ زمانے کے ساتھ معین نہ ہو بلکہ جب اس کی غرض پوری ہوجائے تواپنے وطن جائے گا، اس میں زمانہ متعین نہیں کرتا کہ کتنے دن ہیں۔ مثلا وہ تجار جو سفر کرتے ہیں کہ سامان بیچنے یا لینے کیلئے یا رسمی امور پورا کرنے کیلئے جب ان کی غرض پوری ہوجائے تو وہ اپنے وطن واپس لوٹیں گے تو ان کی سفر کی مدت بھی معلوم نہیں ہے تو وہ بھی قصر کریں گے۔

5: جو تجار وغیرہ یہ خیال کرتے ہیں کہ میری غرض چار دن سے زیادہ وقت لے گی اور چار دن سے زیادہ کی نیت کرلیں تو کیا وہ مسافر شمار ہونگے یا مقیم؟ اس میں اختلاف ہے، راجح قول یہ ہے کہ وہ مقیم ہیں اور مسافر نہیں ہیں کیونکہ چار کو شریعت نے سفر میں اعتبار دیا ہے جیسا کہ پہلے قول ثانی میں تفصیلا گزر چکا ہے۔

6: معین غرض کے حصول کیلئے نیت کرلے جو کہ معین زمانہ میں حاصل ہوتا ہے تو کیا وہ سفر شمار ہوگا یا نہیں؟ اس میں بھی دو قول ہیں، راجح قول جمہور کا ہے کہ اگر چار دن سے زیادہ ہو تو وہ مقیم ہے اور اگر کم ہو تو پھر مسافر ہے۔

7: کوئی انسان جائے سفر میں مطلق اقامت کی نیت کرلے مثلا وہ عمال جو کسی کام سے وہاں رہتے ہوں یا وہ تجار جو تجارت کی غرض سے ٹھہرے ہوں یا سفراء وغیرہ جنہوں نے ایک مدت تک اقامت کا عزم کیا ہوتا ہے تو ان کا حکم مقیمین کا ہے، اور ان میں وہ کاروباری لوگ بھی داخل ہیں جن کا گھر ایک علاقے میں ہو اور کاروبار دوسرے علاقے میں ہو اور ہر ہفتے گھر آتے جاتے ہوں۔

تنبیہ: یہ مسئلہ اجتہادی ہے، اس وجہ سے مسلمانوں کو چاہئے کہ جس کو جو راجح لگے تو اوروں کے ساتھ اس میں اختلافات اور نفرت پیدا نہ کرے اور اپنی بات دوسروں پر زبردستی نافذ نہ کرے، ہمیں قول ثانی راجح نظر آتا ہے کیونکہ پہلا قول جو کہ عرف کے سپرد کرنا ہے عمل کے لحاظ سے مشکل ہے، انسان کو پتہ نہیں چلتا کہ میں اس وقت مسافر ہوں یا نہیں؟ **وباللہ التوفیق واللہ تعالي اعلم واعزم واکرم**۔